تفسیرِ سمرقندی

مولانا نورالرحمان ہزاروی

ناظمِ تعلیمات جامعہ ندوۃ العلم، کراچی

"وہ کتابیں اپنے آباء کی....." کے عنوان کے تحت اسلام کے مراجع ومصادر اور مآخذ میں سے کسی ایک کتاب کا تعارف پیش کیا جاتا ہے، اس مرتبہ فقیہ ابواللیث سمرقندی کی شہرۂ آفاق تفسیر "تفسیر السمرقندی" کا تعارف نذر قارئین ہے۔ ——— (مدیر)

کچھ فقیہ ابواللیث سمرقندیؒ کے بارے میں

امام الھدی ابواللیث سمرقندیؒ عظیم مفسر، بلند پایہ فقیہ، زبردست مناظر اور ماہر طبیب وفلسفی تھے، ان کا نام، نسب اور نسبت نصر بن محمد بن ابراہیم الخطاب سمرقندی توزی بلخی ہے، بعض نے کہا ہے کہ ان کے دادا کا نام احمد یا محمد ہے، جب کہ ابراہیم ان کے پردادا ہیں (الجواھر المضیة: ۵۴۴/۳، طبقات المفسرین للداودي: ۲/ ۲۴۵) ان کا لقب "الفقیہ" ہے، اور اسی لقب کے ساتھ وہ مشہور ہیں انہیں یہ لقب بہت زیادہ پسند تھا کیونکہ یہ لقب انہیں حضور اکرم ﷺ نے خواب میں عطاء فرمایا تھا، جس کا قصہ کچھ یوں ہے کہ جب وہ اپنی کتاب "تنبیہ الغافلین" لکھ چکے تو انہوں نے حضور ﷺ کے روضہ مبارک پر اسے پیش کیا، رات کو جب وہ سو گئے تو خواب میں حضرت محمد ﷺ کی زیارت نصیب ہوئی، خواب میں آپ ﷺ نے انہیں ان کی کتاب تھماتے ہوئے فرمایا: "خذ کتابک یا فقیہ" یعنی "اے فقیہ! یہ لو اپنی کتاب"۔ اس کے فوراً بعد وہ جاگ گئے، کتاب پر نظر پڑی تو دیکھا کہ حضور اکرم ﷺ نے اس میں سے کچھ مقامات سے عبارتیں مٹادی تھیں۔ اس واقعہ کے بعد وہ اپنے لئے اس لقب کو بطور تبرک استعمال کرتے تھے۔ (کتائب أعلام الأخبار: ص۱۲۶) ان کا لقب "إمام الھدی" بھی ہے، امام ابوالمنصور ماتریدیؒ بھی اسی لقب کے ساتھ ملقب تھے (الجواھر المضیة: ۳۶۰/۳) ان کی کنیت ابواللیث ہے، وہ نام کے مقابلہ میں کنیت اور لقب کے ساتھ زیادہ مشہور ہیں۔ کنیت کے ساتھ ان کا لقب ضرور ذکر کیا جاتا ہے، مثلاً یوں کہا جاتا ہے: "حدث الفقیہ أبواللیث" ان کی تاریخ پیدائش حتمی طور پر معلوم نہیں، ان کے والدین کو کیا پتہ تھا کہ ان بچے کی اتنی بڑی شان ہوگی ورنہ وہ ضرور ان کی تاریخ پیدائش نوٹ کرتے، ان کے تذکرہ نگاروں نے اندازہ کے طور پر ان کا سن پیدائش ۳۰۱ھ تا ۳۱۰ھ کا درمیانی عرصہ قرار دیا ہے۔ کتاب "النوازل" میں ہے کہ انہوں نے کل پچپن سال عمر پائی، اور ان کا انتقال ۱۱ جمادی الآخرہ کی رات کو ۳۹۶ھ میں ہوا۔ اگر یہ قول صحیح مان لیا جائے تو اس سے ان کا سن پیدائش بھی حتمی طور پر معلوم ہو جاتا ہے، یعنی ۳۴۲ھ۔ ان کے سن وفات کی تحدید میں بھی اختلاف ہے، امام داودیؒ نے کہا ہے کہ ان کا انتقال منگل کی شب ۱۱ جمادی الآخرہ ۳۹۳ھ کو ہوا (طبقات المفسرین: ۳۴۶/۲)۔ "الطبقات السنیة في تراجم الحنفیة" کے مؤلف نے ان کا سن وفات ۳۸۳ھ

ذکر کیا ہے۔ "تاج التراجم" (۴/۲۲۴) میں ان کا سن وفات ۳۷۵ھ اور "الجواہر المضیۃ" (۳/۱۹۶) میں ۳۷۳ھ ذکر کیا گیا ہے۔ "کشف الظنون" (۲/ ۱۱۸۷، ۱۲۲۰، ۱۵۸۰) میں حاجی خلیفہؒ نے اس بابت تین قول ذکر کیے ہیں: ۳۷۶ھ، ۳۸۳ھ، ۳۷۵ھ۔ "تاریخ التراث العربي" (۳۱/۹۱) میں بھی تین اقوال مذکور ہیں: ۳۷۳ھ، ۳۷۵ھ، ۳۹۳ھ۔ علامہ سیوطیؒ نے فرمایا ہے کہ ان کا انتقال طالع کے دور میں ہوا۔ (تاریخ الخلفاء: ص ۴۱۱)

فقیہ ابواللیث سمرقندیؒ کو اللہ تعالیٰ نے تمام ضروری علوم وفنون میں سے وافر حصہ عطا فرمایا تھا، تفسیر، حدیث، طب، فلسفہ سمیت کئی علوم وفنون پر ان کو کامل دسترس حاصل تھی۔ فقہ میں ان کو اپنے تمام معاصرین واقران پر فوقیت حاصل تھی، اسی وجہ سے انہیں "أل" کے ساتھ "الفقیہ" کہا جاتا تھا، یعنی سب سے بڑے اور کامل فقیہ۔ وہ مسلکاً حنفی تھے۔ انہیں عربی، فارسی، عبرانی وغیرہ مختلف زبانوں پر مکمل عبور حاصل تھا، مناظرہ وجدل میں بھی بہت زیادہ مشہور تھے، انہوں نے اپنے زمانہ کے بڑے بڑے اساطین علم سے اکتساب فیض کیا، ان کے ابتدائی شیوخ میں ان کے والد ماجد محمد بن ابراہیم توذیؒ ہیں، جو نہایت متقی، فاضل اور فقیہ تھے، ان کے دیگر شیوخ میں ابوجعفر ہندوانیؒ، خلیل بن احمد قاضی سجزیؒ، جو اپنے زمانہ کے شیخ الحنفیہ اور فقہ وحدیث میں سب سے فائق تھے، محمد بن فضل بلخی مفسرؒ وغیرہ شامل ہیں (الجواهر المضية: ٣/١٩٢، اللباب لابن الأثير: ٣/٢٩٥، تاج التراجم: ص٦٣، البداية والنهاية: ١١/٣٢٧، حلية الأولياء: ١٠/٢٣، الأعلام للزركلي: ٧/٢٢١)

ان کے تلامذہ کی بھی بڑی تعداد ہے، جن میں لقمان بن حکیم فرغانیؒ، نعیم الخطیب ابو مالکؒ، محمد بن عبدالرحمن زبیریؒ، احمد بن محمد ابو سہلؒ، طاہر بن محمد بن احمد بن نصر ابو عبداللہ حدادیؒ وغیرہ حضرات شامل ہیں۔ انہوں نے تفسیر، فقہ، زہد ورقائق اور علم کلام میں کئی کتب تالیف کیں۔ تفسیر میں انہوں نے "بحر العلوم" کے نام سے ایک عظیم الشان تفسیر لکھی، جس کا تفصیلی تعارف آگے آرہا ہے۔ فقہ میں انہوں نے جو کتابیں لکھیں ان کے نام یہ ہیں: (۱) خزانة الفقه: یہ ڈاکٹر صلاح الدین ناہی کی تحقیق کے ساتھ چھپ چکی ہے۔ (۲) عيون المسائل: یہ فقہ حنفی میں ہے، جو ہندوستان سے چھپ چکی ہے۔ (۳) مقدمة أبي الليث في الصلاة۔ (۴) النوازل في الفتاوى۔ (۵) تأسيس النظائر الفقهية: یہ بھی فقہ حنفی میں ہے۔ (۶) المبسوط في فروع الفقه الحنفي۔ (۷) النوادر المقيدة: اس میں انہوں نے فقہی نوادر جمع کیے ہیں۔ (۸) شرح الجامع الكبير: یہ امام محمدؒ کی "الجامع الكبير" کی شرح ہے۔ (۹) شرح الجامع الصغير: یہ امام محمدؒ کی "الجامع الصغير" کی شرح ہے۔ (۱۰) مقدمة في بيان الكبائر والصغائر۔ (۱۱) فتاوى أبي الليث، .... زہد ورقائق میں انہوں نے جو کتابیں لکھیں، ان کے نام یہ ہیں (۱) تنبيه الغافلين۔ (۲) بستان العارفين۔ (۳) قرة العيون ومفرح القلب المحزون۔ .... علم کلام میں انہوں نے جو کتب تالیف کیں، ان میں سے کچھ کے نام یہ ہیں۔ (۱) أصول الدين (۲) بيان عقيدة الأصول (۳) أسرار الوحي (۴) رسالة في المعرفة والإيمان۔ (۵) رسالة في الحكم (۶) قوت النفس في معرفة الأركان الخمس وغیرہ۔

زیر تبصرہ کتاب "تفسیر السمرقندي":

امام سمرقندیؒ یقیناً ایک ہمہ گیر شخصیت اور جامع ترین عالم تھے، مختلف موضوعات پر لکھی گئی ان کی کتابیں ان کی

وسعت علمی اور جامعیت پر شاہد عدل ہیں۔ مگر ان کو زیادہ شہرت زہد ورقائق کے باب میں حاصل ہوئی، اگر کسی کے سامنے فقیہ ابواللیث سمرقندیؒ کا نام لیا جائے تو اس کا ذہن فوراً ایک صوفی اور عابد وزاہد شخصیت کی طرف جائے گا، حالانکہ انہوں نے سب سے زیادہ کتب علم فقہ میں لکھی ہیں، اور علم فقہ میں لکھی گئی ان کی کتابیں ”منية المصلي “یا”خلاصة كيداني “وغیرہ کے مستوی اور معیار کی نہیں ہیں، بلکہ ان میں سے کچھ تو گراں قدر فتاوی اور فقہی جزئیات پر مشتمل ہیں، کچھ فقہ حنفی کی اعلی پائے کی کتابوں مثلاً ”الجامع الصغير “اور”الجامع الكبير “وغیرہ کی شروح ہیں اور کچھ مستقل بلند پائے کی کتب ہیں، ان سب سے بڑھ کر ان کا جو عظیم علمی کارنامہ ہے، وہ قرآن کریم کی تفسیر ہے، اس تفسیر کا نام ”بحر العلوم “ہے، جو”تفسير السمرقندي “کے نام سے مشہور ہے۔ مگر ہم میں سے اکثر لوگوں نے یا تو اس کا سرے سے نام ہی نہیں سنا ہوگا اور اگر نام سنا بھی ہو تو نظر سے نہیں گذری ہوگی، یہ کوئی لمبی چوڑی تفسیر نہیں ہے، بلکہ مختصر اور باوجود اختصار کے جامع ترین اور عمدہ تفسیر ہے، محمد حسین ذہبیؒ فرماتے ہیں کہ ”تفسیر سمرقندیؒ سے میں نے بہت استفادہ کیا“۔ حاجی خلیفہؒ لکھتے ہیں: ”فقیہ ابواللیث نصر بن محمد سمرقندی حنفیؒ متوفی ٣٧٥ھ نے نہایت عمدہ تفسیر مرتب کی ہے، شیخ زین الدین قاسم بن قطلو بغا حنفیؒ متوفی ٨٥٤ھ نے اس کی احادیث کی تخریج کی ہے“۔ (كشف الظنون: ١/٢٣٤)

تفسیر سمرقندی کے متعلق ایڈم میٹس کی غلط رائے: ماہنامہ ”وفاق المدارس“ شمارہ نمبر ١٠ شوال ١٤٢٥ھ میں ”تفسیر قرطبی“ کے تعارف کے ذیل میں ہم ذکر کر آئے ہیں کہ قرآن کریم کی تفاسیر سات اقسام سے خالی نہیں۔ (۱) تفاسیر بالمأثور۔ (۲) تفاسیر بالرأی۔ (۳) فقہی تفاسیر۔ (۴) تفاسیر لغویہ۔ (٥) عقلی فلسفی تفاسیر۔ (٦) تفاسیر مبتدعہ۔ (۷) تاریخی تفاسیر۔ اب ”تفسیر سمرقندی“ کس قسم میں داخل ہے؟ اس بابت ایک رائے تو یہ ہے کہ ”تفسیر سمرقندی“ ”تفسير بالمأثور “کے قبیل سے ہے۔ یہ رائے مستشرق ”ایڈم میٹس“ کی ہے (تاريخ الحضارة الإسلامية في القرن الرابع الهجريّ لآدم ميتز: ١/٣٦٤) ہمارے خیال میں ”ایڈم میٹس“ نے یہ رائے فقیہ ابواللیث سمرقندیؒ کی تفسیر کے مقدمہ میں مذکور ان کے ایک قول اور ان احادیث وآثار کو دیکھ کر قائم کی ہے، جو ”تفسير بالرأى “کے ممنوع اور ناجائز ہونے پر دلالت کرتے ہیں۔

مقدمہ تفسیر میں امام سمرقندیؒ نے فرمایا: ”لا يجوز لأحد أن يفسر القرآن من ذات نفسه برأيه......“ یعنی ”کسی کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ قرآن کریم کی تفسیر میں اپنی طرف سے کوئی بات کہے.........“ (تفسير السمرقندي: ١/٧٢)........ مقدمہ تفسیر میں مذکورہ احادیث وآثار جو ”تفسير بالرأى “کے عدم جواز پر دلالت کرتے ہیں، یہ ہیں:

(۱) حضور اکرم ﷺ کا فرمان مبارک ہے: ”من قال في القرآن بغير علم، فليتبوّأ مقعده من النار “یعنی ”جس نے قرآن کریم میں اپنی طرف سے بغیر علم کے کوئی بات کہی تو وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔“ (تفسير السمرقندي: ١/٧٣)

(۲) ایک اور حدیث میں آنحضرت ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ”من فسر القرآن برأيه، فليتبوأ مقعده من النار “، یعنی ”جس نے اپنی رائے کے ساتھ قرآن کریم کی تفسیر کی تو وہ جہنم میں اپنا ٹھکانہ بنالے“ (تفسير السمرقندي: ١/٧٣)

(۳) حضرت ابوبکر صدیقؓ سے قول باری تعالیٰ ﴿وفاكهة وأبّا﴾ کی تفسیر کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا: ”أيّ سماء تظلّني ، وأيّ أرض تقلّني إذا قلتُ في القرآن بما لا أعلم ؟“، یعنی ”اگر میں قرآن کریم کی تفسیر میں اپنی طرف سے بغیر علم کے کوئی بات کہوں تو مجھ پر کون سا آسمان سایہ فگن ہوگا اور کون سی زمین میرا بوجھ اٹھائے گی؟“ (تفسير السمرقندي : ۱/۷۳)

(۴) امام مجاہدؒ کے بیٹے کہتے ہیں کہ میرے والد ماجد امام مجاہدؒ سے کسی شخص نے کہا: ”أنت الذي تفسر القرآن برأيك “، یعنی ”آپ ہی ہیں، جو اپنی رائے سے قرآن کریم کی تفسیر کرتے ہیں؟“ یہ سوال سن کر میرے والد ماجدؒ رونے لگے اور فرمایا: ”إني إذاً لجريءٌ لقد حملت التفسير عن بضعة عشر من أصحاب النبي - ﷺ - رضي الله عنهم “، یعنی ”اگر میں اپنی رائے سے قرآن کریم کی تفسیر کرنا شروع کردوں تو پھر تو میری جسارت کے کیا کہنے!، بندۂ خدا!! تفسیر کا علم تو میں نے درجن سے زائد حضرات صحابہ کرامؓ سے حاصل کیا ہے“ (تفسير السمرقندي : ۱/۷۳)

غرض فقیہ ابواللیث سمرقندیؒ کے قول اور ان احادیث وآثار سے ایڈم میٹس نے سمجھا کہ امام سمرقندیؒ کے نزدیک تفسیر بالرأی مطلقاً ناجائز ہے، لہٰذا ان کی یہ تفسیر محض تفسیر بالمأثور کے قبیل سے ہے، .... مگر ایڈم میٹس کی یہ رائے درست نہیں ہے اور انہیں غلط فہمی ہوئی ہے، اس بابت تحقیقی اور صحیح بات یہی ہے کہ تفسیر سمرقندی، تفسیر بالمأثور اور تفسیر بالرأی کا حسین امتزاج ہے جیسا کہ تفسیر کے تحقیقی مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے، رہا مقدمہ تفسیر میں مذکور فقیہ ابواللیث سمرقندیؒ کا قول اور وہ احادیث وآثار جو تفسیر بالرأی کے عدم جواز پر دلالت کرتے ہیں اور جن کو بنیاد بنا کر ایڈم میٹس نے مذکور الصدر رائے قائم کی ہے تو اس بابت عرض ہے کہ تفسیر بالرأی کی دو قسمیں ہیں (۱) ایک قسم وہ ہے جو جائز ہے۔ (۲) دوسری قسم مذموم اور ناجائز ہے۔ اگر کوئی شخص تفسیر کے لئے ضروری پندرہ علوم میں مہارت رکھتا ہو اور وہ منقولات سے مدد لئے بغیر قرآن کریم کی تفسیر اپنی رائے کے ساتھ کرنا چاہتا ہے تو تفسیر بالرأی کی یہ قسم جائز ہے بشرطیکہ اس کی یہ رائے کتاب وسنت سے ہم آہنگ ہو، اور اگر کوئی شخص تفسیر کے لئے ضروری پندرہ علوم میں مہارت نہ رکھتا ہو یا مہارت تو رکھتا ہو مگر اس کی رائے کتاب وسنت سے ہم آہنگ نہ ہو تو ایسے شخص کے لئے تفسیر بالرأی ناجائز اور حرام ہے۔ تفسیر کے لئے جن پندرہ علوم میں مہارت ضروری ہے، وہ یہ ہیں (۱) علم لغت (۲) علم نحو (۳) علم صرف (۴) علم اشتقاق (۵) علم معانی (۶) علم بیان (۷) علم بدیع (۸) علم القراءات (۹) علم کلام (۱۰) علم فقہ (۱۱) علم اصول فقہ (۱۲) ناسخ ومنسوخ کا علم (۱۳) اسباب نزول وقصص کا علم (۱۴) احادیث وآثار کا علم (۱۵) علم وہبی۔ آخر الذکر علم خاص عطیہ خداوندی ہے، یہ اس شخص کو نصیب ہوتا ہے جو اپنے علم کے مقتضیات پر عمل کرتا ہو، چنانچہ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ”من عمل بما علم أورثه الله علم مايعلم “یعنی ”جو شخص اپنے علم پر عمل کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے ان چیزوں کا علم بھی عطا فرما دیتے ہیں جن کا اسے علم نہیں ہوتا“ (الإتقان في علوم القرآن: ۳/۱۸۴-۱۸۸، الإسرائيليات والموضوعات للدكتور محمد بن محمد أبي شهبة: ص ۴۸-۵۳)....

غرض تفسیر بالرأی کی دو قسمیں ہیں (۱) جائز (۲) ناجائز، اور تفسیر بحر العلوم کے مقدمہ میں مذکور فقیہ ابواللیث سمرقندیؒ کا قول اور احادیث وآثار کا محمل علی الاطلاق تفسیر بالرأی نہیں ہے، بلکہ اس کی وہ قسم ہے جو ناجائز اور حرام ہے، خود مقدمہ تفسیر میں امام سمرقندیؒ نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ تفسیر بالرأی مطلقاً حرام اور ناجائز نہیں ہے بلکہ اس کی حرمت اس وقت ہے جب

تفسیر بالرائی کرنے والا وجوہِ لغت اور اسبابِ نزول وقصص وغیرہ سے ناواقف ہو۔ ان کے الفاظ ملاحظہ ہوں: ''لا يجوز لأحد أن يفسر القران من ذات نفسه برأيه ، مالم يتعلم ويعرف وجوه اللغة وأحوال التنزيل'' (تفسير المسرقندي: ۱/۷۲) پس جب ایسا ہے تو مقدمہ تفسیر میں مذکور انکے قول اور احادیث وآثار سے ایڈم میٹس کا یہ سمجھنا کہ تفسیر بالرائی امام سمرقندیؒ کے نزدیک مطلقاً ناجائز ہے ان کی یہ تفسیر محض تفسیر بالمأ ثور کے قبیل سے ہے، یقیناً بالکل غلط ہے، تفسیر بالرائی امام سمرقندیؒ کے نزدیک مطلقاً کیونکر ناجائز اور حرام ہوسکتی ہے، حالانکہ خود انہوں نے مقدمہ تفسیر میں اسکی طلب اور حصول کی ترغیب دیتے ہوئے اسے واجب اور ضروری قرار دیا ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ قرآن کریم عرب وعجم پر حجت ہے، اور اس کا حجت ہونا اسی وقت ہوگا جب انہیں قرآن کریم کی تاویل پر تفسیر بالرائی سے واقفیت حاصل ہو، پس ثابت ہوا کہ تفسیر بالرائی اور تاویل کی طلب اور حصول واجب ہے، ان کے الفاظ ملاحظہ ہوں''.... فلما كان القران حجة على العرب والعجم، ثم لايكون حجة عليهم إلا بعد أن يعلموا تأويله وتفسيره برأيه ، فدل ذلك على أن طلب تفسيره و تأويله واجب'' (تفسير السمرقندي :۱/۷۲)

مذکورہ بالا تفصیل سے معلوم ہو کہ ''تفسير السمرقندي '' کی بابت ایڈم میٹس کی رائے غلط ہے اور صحیح بات یہی ہے کہ فقیہ ابواللیث سمرقندیؒ کے نزدیک تفسیر بالرائی بعض شرطوں کے ساتھ جائز ہے اور ان کی یہ تفسیر، تفسیر بالرائی اور تفسیر بالمأ ثور کا بہترین امتزاج ہے۔

''تفسير السمرقندي'' کی ترتیب وانداز: جیسا کہ ہم پہلے عرض کرآئے ہیں کہ ''تفسير السمرقندي '' مختصر مگر جامع ترین تفسیر ہے۔ امام سمرقندیؒ نے اس میں صرف آیات کی تفسیر وتاویل اور اس سے متعلقہ امور پر ہی زور دیا ہے، غیر متعلقہ امور مثلاً نحوی، صرفی، منطقی، فلسفی، بلاغی، فقہی ومسائل اور ان میں علماء کے اختلاف ودلائل سے بالکل تعرض نہیں کیا جیسا کہ دیگر مفسرین کی عادت ہے، جہاں ضرورت ہوتی ہے وہاں بقدر ضرورت صرف آیت کا مفہوم واضح کرنے کے لئے نہایت اختصار کے ساتھ نحوی، صرفی، فقہی وبلاغی مباحث ذکر کرتے ہیں، مگر ان کی گہرائی میں بالکل نہیں جاتے کہ کہیں قاری کا ذہن اصل مقصود سے نہ ہٹ جائے۔ ''تفسير السمرقندي '' میں امام سمرقندیؒ کا طریقہ کار یہ ہے کہ وہ ہر سورت کے شروع میں اس کی آیتوں کی تعداد ذکر کرتے ہیں اور یہ بتاتے ہیں کہ یہ سورت مکی ہے یا مدنی، اس بابت اگر مفسرین کا اختلاف ہو تو وہ بھی اختصار کے ساتھ ذکر کرتے ہیں، مثلاً سورۃ المائدۃ کی تفسیر کے شروع میں فرمایا: ''كلّها مدنيّة وهي مئة وعشرون آية '' یعنی ''پوری کی پوری سورت مدنی ہے اور اس کی ایک سو بیس آیات ہیں'' (تفسير السمرقندي :۱/۴۱۰) اسی طرح سورۃ الفاتحۃ کی تفسیر شروع کرتے ہوئے فرمایا: ''سبع آيات مدنية........ روي عن مجاهد أنه قال: سورة فاتحة الكتاب مدنية ، وروى أبو صالح عن ابن عباسؓ أنه قال: هي مكية يقال : نصفها نزل بمكة ونصفها نزل بالمدينة '' یعنی '' یہ سورت مدنی ہے اور سات آیات پر مشتمل ہے..... امام مجاہدؒ سے مروی ہے کہ یہ سورت مدنی ہے، حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ یہ مکی سورت ہے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ سورت نصف مکی ہے اور نصف مدنی'' (تفسير السمرقندي :۱/۷۲)..... بعد ازاں آیات کی تفسیر وتاویل بیان کرتے ہیں، آیات کی تفسیر میں وہ تفسیر بالمأ ثور کو ترجیح دیتے ہیں، تفسیر بالرائی کا اہتمام بھی فرماتے ہیں۔ آیات کا شان نزول بھی ذکر کرتے ہیں، اگر نزول آیت کے اسباب میں

متعدد اقوال ہوں تو ان پر بھی تنبیہ فرماتے ہیں، آیت کا حکم عام ہے یا خاص، اسے بھی ضرور بیان فرماتے ہیں، مثلاً قول باری تعالیٰ: ﴿ومن الناس من يعجبك قوله في الحياة الدنيا......﴾ کی تفسیر میں فرماتے ہیں ''يعني كلامه و حديثه ، وهو أخنس بن شريق، كان حلو الكلام، جلو المنظر ، فاجر السريرة، وروى أسباط عن السدي قال: أقبل أخنس بن شريق إلى رسول الله -ﷺ- بالمدينة ، فقال : إنما جئت أريد الإسلام، وقال: الله يعلم أني صادق، فأعجب النبي -ﷺ- بقوله، ثم خرج من عنده، فمرّ بزرع للمسلمين، فأحرقه ، و مر بحمر للمسلمين فعقرها ، فنزلت هذه الآية ''يعني'' آیت میں ''قول '' گفتگو اور بات چیت کے معنی میں ہے، اس سے مراد اخنس بن شریق ثقفی منافق ہے، یہ شخص بڑا فصیح و بلیغ ، نہایت شیریں گفتار، خوش شکل مگر بدکار تھا، سدی سے روایت ہے کہ اخنس بن شریق مدینہ منورہ میں حضرت محمد ﷺ کی خدمت میں آیا اور کہنے لگا: ''میں اسلام قبول کرنے کے ارادے سے آیا ہوں، اللہ تعالیٰ جانتے ہیں کہ میں سچ کہہ رہا ہوں، آپ ﷺ کو اس کی باتیں بھلی لگیں، بعد ازاں یہ شخص آپ ﷺ کی مجلس سے اٹھ کر چلا گیا، اس کا گذر مسلمانوں میں سے کسی ایک کی کھیتی پر ہوا، جسے اس نے آگ لگا کر ضائع کر دیا، کچھ آگے جا کر اس کا گذر مسلمانوں کے گدھوں پر ہوا، اس نے انہیں ہلاک کر دیا، جس پر یہ آیت نازل ہوئی'' (تفسير السمرقندي :١/١٩٦، ١٩٥) آیت کا حکم اگر عام ہو تو سبب نزول کے بیان کے بعد اس پر ضرور تنبیہ فرماتے ہیں، مثلاً اسی آیت کے شان نزول اور تفسیر کے بیان کے بعد آگے جا کر فرمایا: ''فهذه الآية نزلت في شأن أخنس بن شريق ، ولكنها صارت عامّة لجميع الناس ، فمن عمل مثل عمله، استوجب تلك العقوبة ''يعني'' یہ آیت اگرچہ اخنس بن شریق کے حق میں نازل ہوئی ہے، مگر تمام منافقین کو عام اور شامل ہوگئی، پس جو شخص بھی اخنس بن شریق کی طرح کے کام کرے گا وہ جہنم کی سزا کا مستحق ٹھہرے گا'' (تفسير السمرقندي :١/١٩٦) بسا اوقات امام سمرقندیؒ آیات کی بہت دلچسپ، آسان اور عام فہم تفسیر کرتے ہیں جو دل کو بھی بھاتی ہے، مثلاً سورۃ البقرۃ کی آیت ﴿إذ قال له ربه أسلم﴾ میں ''أسلم'' کے مختلف معانی بیان کیے، ان میں سے ایک معنی یہ ہیں: ''قل :لا إله إلّا الله ''يعني'' کلمہ توحید پڑھو'' (تفسير السمرقندي :١/١٩٦) اسی طرح سورۃ الفاتحۃ میں ''الحمد لله '' کے مختلف معانی بیان فرمائے، ان میں سے ایک معنی یہ بیان فرمایا ''الوحدانية لله'' يعني'' یکتائی صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے'' ایک اور معنی یہ بھی بیان فرمائے: ''الألوهية لله ''يعني'' عبادت کا مستحق صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے'' (تفسير السمرقندي :١/٧٩) اسی طرح سورۃ البقرۃ کی آیت ﴿يا أيها الناس اعبدوا ربكم﴾ میں ''اعبدوا'' کے معنی بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ مخاطبین اگر کفار ہیں تو اس کے معنی میں ''وحّدوا ربكم ''يعني'' کافرو! اپنے رب کو ایک مان لو، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ'' اگر مخاطبین نافرمان مسلمان ہوں تو اس کے معنی ہیں ''أخلصوا بالتوحيد معرفة ربكم ''يعني'' منافقو! توحید کے ذریعے اپنے رب کی معرفت کو کھوٹ اور آمیزش سے پاک اور خالص کرو'' اور اگر مخاطبین نیک اور فرمانبردار مسلمان ہوں تو اس کے معنی ہیں: ''اثبتوا على طاعة ربكم ''يعني'' نیکو کارو! اپنے رب کی اطاعت پر ثابت قدم اور ڈٹے رہو'' (تفسير السمرقندي :١/١٠١) آیات کی تفسیر کرتے وقت تفسیر قرآن سے متعلق مفید اور کار آمد فوائد بھی بیان فرماتے ہیں، مثلاً اسی آیت کی تفسیر کے ذیل میں انہوں نے فرمایا: ''واعلم أن النداء في القرآن على ست مراتب :نداء مدح ،ونداء ذمّ ،ونداء تنبيه، ونداء إضافة ،ونداء نسبة ،ونداء

ســـمية......‘‘یعنی’’ قرآن کریم میں نداء کا استعمال چھ مراتب کے لئے ہوا ہے(۱) ندائے مدح(۲) ندائے ذم (۳) ندائے تنبیہ(٤) ندائے اضافت(٥) ندائے نسبت(٦) ندائے تسمیہ۔ اس کے بعد انہوں نے ہر قسم کے لئے علیحدہ علیحدہ مثالیں ذکر کیں اور فرمایا کہ اس آیت میں حرف نداء تنبیہ کے لئے ہے، (تفسير السمرقندي: ١/ ١٠١) اسی طرح سورۃ البقرۃ کی آیت ﴿هل ينظرون إلّا أن يأتيهم الله في ظُلَل......﴾ کی تفسیر میں انہوں نے فرمایا: ’’هَل في القرآن على سبعة أوجه: في موضع يرادبها قد، كقوله: ﴿هَل أتاك﴾ أي قد أتاك، ومرّة يرادبها الاستفهام، كقوله: ﴿هَل إلى مردّ من سبيل﴾ ومرة يراد بها السؤال، كقوله: ﴿هل وجدتم ماوعدكم ربكم حقّاً﴾، ومرة يراد بها التفهيم، كقوله: ﴿هل أدلكم على تجارة﴾، ومرة يراد بها التوبيخ، كقوله ﴿هل أنبّئُكم على من تنزل الشياطين﴾، ومرة يراد بها الأمر، كقوله ﴿فهل أنتم متهون﴾ أي انتهوا، ومرة يراد بها الجحد، كقوله في هذا الموضع.‘‘ یعنی’’ قرآن کریم میں ’’هَل‘‘ کا استعمال سات معنوں میں ہوا ہے(۱) ’’قد‘‘ کے معنی میں، جیسے قول باری تعالیٰ ﴿هَل أتاك﴾ میں ’’هَل‘‘، ’’قد‘‘ کے معنی میں ہے(۲) استفہام کے معنی میں، جیسے قول باری تعالیٰ ﴿هَل إلى مردّ من سبيل﴾ میں ’’هَل‘‘ استفہام کے لئے ہے(۳) سوال کے معنی میں، جیسے قول باری تعالیٰ: ﴿هل وجدتم ماوعدكم ربكم حقّاً﴾ میں ’’هل‘‘ سوال کے لئے ہے(۴) برائے تفہیم، جیسے قول باری تعالیٰ ﴿هل أدلكم على تجارة﴾ میں ’’هل‘‘ برائے تفہیم ہے، (٥) توبیخ کے معنی میں، جیسے قول باری تعالیٰ ﴿هل أنبّئُكم على من تنزل الشياطين﴾ میں ’’هَل‘‘ توبیخ کے لئے ہے(٦) امر کے معنی میں، جیسے قول باری تعالیٰ ﴿فهل أنتم منتهون﴾ میں ’’هَل‘‘ امر کے لئے ہے اور آیت کے معنی ہیں ’’انتهوا‘‘ یعنی رک جاؤ، باز آجاؤ(۷) جحد کے معنی میں، جیسے قول باری تعالیٰ ﴿هل ينظرون إلّا أن يأتيهم الله في ظُلَل......﴾ میں ’’هَل‘‘ جحد کے لئے ہے اور ’’مانافيه‘‘ کے معنی میں ہے۔ (تفسير السمرقندي ١/ ١٩٧:)

آیت میں اگر کوئی اشکال ہوتو اسے ذکر کرکے اس کا جواب بھی دیتے ہیں، مثلاً قول باری تعالیٰ: ﴿في قلوبهم مرض فزادهم الله مرضا﴾ میں بعض مفسرین نے ﴿زادهم الله مرضا﴾ کو بدعاء پر محمول کیا، یعنی ’’اللہ تعالیٰ ان کے مرض نفاق میں اضافہ کرے‘‘۔ اس پر انہوں نے ایک اشکال ذکر فرمایا ہے: ’’فإن قيل: كيف يجوز أن يحمل على وجه الدعاء وإنما يحتاج إلى الدعاء عند العجز‘‘۔ یعنی ’’اگر کوئی کہے کہ آیت کو بدعاء پر محمول کرنا کیوں کر درست ہوسکتا ہے، بددعاء کی ضرورت تو عجز کے وقت ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ تو عجز سے پاک ہیں؟‘‘ اس کے جواب میں انہوں نے فرمایا: ’’قيل له: هذا تعليم من الله تعالىٰ أنه يجوز الدعاء على المنافقين والطردلهم، لأنهم شر خلق الله تعالىٰ، لأنه وعدلهم يوم القيمة الدرك الأسفل من النار‘‘ یعنی ’’معترض کو جواب میں کہا جائے گا کہ آیت کو بدعاء پر محمول کرنا تعلیم کے طور پر ہے یعنی اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ منافقوں کے لئے بدعاء کرنا اور انہیں دھتکارنا جائز ہے، اس لئے کہ منافقین اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سب سے بدتر ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے قیامت کے دن جہنم کے سب سے نچلے طبقے کا وعدہ کیا ہے‘‘ (تفسير السمرقندي: ١/ ٩٨)

امام سمرقندیؒ آیت کی تفسیر میں کوئی گوشہ خالی نہیں چھوڑتے، اگر آیت کی تفسیر اور اس کے فہم میں نحوی، صرفی،

بلاغی یا فقہی حوالے سے تشنگی ہو تو ان حوالوں سے بھی آیت کی کافی وشافی تفسیر کرتے ہیں، مگر ان کی بے جا تفصیل مثلاً مذاہب ودلائل وغیرہ بیان نہیں کرتے، مشکل آیات کا بہترین حل اور عمدہ توجیہات پیش کرتے ہیں۔ اسی طرح مختلف قرآنی قراءات بھی بیان کرتے ہیں، ناسخ ومنسوخ پر بھی تنبیہ فرماتے ہیں۔ غرض قرآن دانی کے لئے ''تفسیر السمرقندي'' نہایت بہترین تفسیر ہے، جو مختصر بھی ہے اور جامع بھی....... مگر بدقسمتی سے یہ تفسیر بھی اسرائیلیات سے بھری پڑی ہے۔

''تفسیر بالماثور'' میں امام سمرقندیؒ کا طریقہ کار: ''تفسیر بالماثور'' کی چار قسمیں ہیں۔ (۱) تفسیر القرآن بالقرآن (۲) تفسیر القرآن بالحديث (۳) تفسير القرآن بأقوال الصحابةؓ (٤) تفسير القرآن بأقوال التابعينؒ۔ علامہ سیوطیؒ فرماتے ہیں: ''قال العلماء: من أراد تفسير الكتاب العزيز، طلبه أولا من القرآن، فما أجمل منه في مكان، فسّر في موضع آخر، وما اختصر في مكان، فقد بسط في موضع آخر.'' یعنی ''علماء فرماتے ہیں کہ جو شخص قرآن کریم کی تفسیر کرنا چاہتا ہے تو اسے سب سے پہلے قرآن کریم ہی میں تلاش کرنا چاہیے، قرآن کریم میں اگر ایک مقام پر کسی آیت میں اجمال ہے تو دوسرے مقام پر اس کی تفسیر کردی گئی ہے۔ اور اگر اور جگہ کسی آیت میں اختصار ہے تو دوسرے مقام پر اس کی تفصیل بیان کی گئی ہے'' (الإتقان: ۲/۱۷۵) امام سمرقندیؒ نے بھی اپنی تفسیر میں یہی اسلوب اور طریقہ کار اختیار کیا ہے، وہ سب سے پہلے مجمل کی تفصیل، مبہم کی توضیح اور مطلق کی تقیید قرآن کریم میں تلاش کرتے ہیں، مثلاً سورة البقرة کی آیت ﴿وبشر الذين امنوا وعملوا الصالحات أن لهم جنّات تجري من تحتها الأنهار﴾ کی تفسیر میں انہوں نے فرمایا: ''﴿أن لهم﴾ أي بأن لهم ﴿جنّات﴾ وهي البساتين ﴿تجري من تحتها الأنهار﴾ أي من تحت شجرها ومساكنها وغرفها الأنهار يعني أنهار الخمر واللبن والماء والعسل.'' یعنی ''ایمان والوں اور نیک عمل کرنے والوں کو خوشخبری سنادو کہ ان کے لئے باغات ہیں جن کے درختوں، رہائش گاہوں اور بالا خانوں کے نیچے سے نہریں بہ رہی ہیں، یہ نہریں پاک شراب، دودھ، پانی اور شہد کی ہیں'' (تفسير السمرقندي: ۱/۱۰۱) ''أنهار'' کی یہ تفسیر امام سمرقندیؒ نے سورة محمد کی اس آیت سے کیا ہے ﴿مثل الجنة التي وعد المتقون فيها أنهار من ماء غير آسن وأنهار من لبن لم يتغير طعمه وأنهار من خمر لذّة للشاربين وأنهار من عسل مصفى.....﴾

اگر کسی آیت کی تفسیر انہیں قرآن کریم سے نہیں ملتی تو حدیث مبارک کی طرف رجوع کرتے ہیں، مثلاً سورة الفاتحة کی آیت ﴿غير المغضوب عليهم ولا الضالين﴾ کی تفسیر میں انہوں نے فرمایا کہ ''المغضوب عليهم'' سے یہود اور ''ضالين'' سے نصاریٰ مراد ہیں، اس کے بعد انہوں نے ایک اشکال ذکر کیا کہ نصاریٰ بھی ''المغضوب عليهم'' ہیں اور اسی طرح یہود بھی ''ضالين'' ہیں، تو ''المغضوب عليهم'' کو یہود کے ساتھ اور ''ضالين'' کو نصاریٰ کے ساتھ کیوں خاص کیا گیا ہے؟ اس کے جواب میں انہوں نے فرمایا ''إنما عرف ذلك بالخبر واستدلالاً بالآية: فأمّا الخبر فما روي عن رسول الله -ﷺ- أن رجلا سأله وهو بوادي القرى -مَن المغضوب عليهم؟ قال: اليهود، قال: ومن الضالين؟ فقال: النصارى، وأما الآية فلأن الله تعالىٰ قال في قصة اليهود: ﴿فباؤ ابغضب على غضب﴾، وقال تعالىٰ في قصة النصارى: ﴿قد ضلوا من قبل وأضلوا كثيرا وضلوا عن سواء السبيل﴾'' یعنی ''یہ تخصیص ہمیں حدیث شریف سے معلوم ہوئی اور خود قرآن کریم سے بھی اس تخصیص کا پتہ چلتا ہے۔ حدیث شریف یہ ہے کہ

• ایک شخص نے ''وادي القری '' میں آپ ﷺ سے سوال کیا کہ ''المغضوب علیهم '' کون ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہود'' اس نے دوبارہ پوچھا کہ '' الضالین '' کون ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: ''نصاریٰ'' قرآن کریم یہ تخصیص اس طرح معلوم ہوتی ہے کہ یہود کے قصہ میں اللہ تعالیٰ نے ''غضب '' کا لفظ ذکر فرمایا چنانچہ فرمایا: ﴿فباؤ ابغضب علی غضب ﴾ اور نصاریٰ کے قصہ میں '' ضلال '' کے کلمات ذکر فرمائے چنانچہ فرمایا ﴿قد ضلوا من قبل وأضلوا کثیرا وضلواعن سواء السبیل ﴾ (تفسير السمرقندي : ۸۳/۱)

اگر قرآن کریم کی کسی آیت کی تفسیر نہ قرآن کریم میں ملے ار نہ حدیث شریف میں تو امام سمرقندیؒ اقوال صحابہؓ کی طرف رجوع کرتے ہیں، اور یہی وتیرہ ہمارے اسلاف مفسرینؒ کا ہے، چنانچہ امام ابن کثیرؒ فرماتے ہیں: '' إذلم نجدا لتفسیر في القرآن ولا في السنة ، رجعنا في ذلك إلی أقوال الصحابةؓ ؛ فإنّهم أدری النّاس بذلك..... '' یعنی '' اگر ہمیں قرآن وحدیث میں کسی آیت کی تفسیر نہ ملے تو ایسی صورت میں ہم صحابہ کرامؓ کے اقوال کی طرف رجوع کرتے ہیں کہ وہ اس بارے میں سب سے زیادہ جاننے والے ہیں'' (مقدمة تفسیر ابن کثیر ، الجزء الأول : ص ۳) امام سمرقندیؒ نے اپنی تفسیر میں جن صحابہ کرامؓ کے اقوال ذکر کیے ہیں، ان میں حضرت علیؓ، حضرت عمر فاروقؓ، حضرت ابی بن کعبؓ ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ ، حضرت جابر بن عبداللہؓ ، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ وغیرہ حضرات شامل ہیں۔ امام سمرقندیؒ نے حضرات صحابہ کرامؓ میں سے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے اقوال کے نقل کا زیادہ اہتمام کیا ہے، امام سمرقندیؒ نے ان سے کئی طرق کے ساتھ روایت کی ہے مثلا:

(۱) عکرمہ عن ابن عباسؓ کا طریق یا سعید بن جبیر عن ابن عباسؓ کا طریق، علماء جرح تعدیل نے اس طریق کی تعریف کی ہے اور اسے پسندیدہ قرار دیا ہے، ابن جریرؒ اور ابن ابی حاتمؒ نے اس طریق سے بہت زیادہ روایات نقل کی ہیں، امام طبرانیؒ نے بھی اپنی '' معجم کبیر '' میں اس طریق سے احادیث نقل کی ہیں (الإتقان : ۱۸۸/۲ ، التفسیر والمفسرون: ۷۹/۱)

(۲) ضحاک عن ابن عباسؓ کا طریق ، یہ طریق ناپسندیدہ ہے، اس میں انقطاع ہے، وجہ یہ ہے کہ ضحاکؒ کی حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے ملاقات ثابت نہیں ہے (الإتقان : ۱۸۸/۲ ، التفسیر والمفسرون: ۷۹/۱)

(۳) کلبی عن ابی صالح عن ابن عباسؓ کا طریق ، یہ طریق سب سے زیادہ واہی اور ضعیف ترین ہے کیونکہ کلبی پر '' وضع حدیث'' کا الزام ہے۔ (الدرالمنثور : ۴۲۳/۶ ، فتح الباري: ۳۵۴/۸)

کبھی کبھار امام سمرقندیؒ بغیر سند ذکر کیے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت نقل کرتے ہیں، مثلاً کبھی یوں کہتے ہیں '' وروي عن ابن عباسؓ'' اور کبھی کہتے ہیں: '' قال ابن عباسؓ''۔

دوسرے نمبر پر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ہیں، جن کے اقوال امام سمرقندیؒ نے بکثرت اپنی تفسیر میں ذکر کیے ہیں، ان سے بھی امام سمرقندیؒ نے متعدد طرق سے تفسیریں روایات ذکر کی ہیں، جن میں سے ایک امام مجاہدؒ کا طریق ہے، یہ طریق صحیح اور قابل اعتماد ہے، امام بخاریؒ نے بھی اپنی صحیح میں اس طریق پر اعتماد کیا ہے، البتہ کبھی کبھار امام سمرقندیؒ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے بھی بغیر سند ذکر کیے روایت ذکر کرتے ہیں، مثلاً یوں کہتے ہیں: '' وروي عن ابن مسعودؓ

..... ''امام سمرقندیؒ نے سند قصداً و عمداً ترک کی ہے، اور اس سے ان کا مقصود قارئین کے لئے تخفیف اور سہولت پیدا کرنا ہے، کیونکہ سند ذکر کرنے سے ان کا ذہن تفسیر سے ہٹ جائے گا (بستان العارفین: ص ۳)

اگر قرآن کریم کی کسی آیت کی تفسیر قرآن کریم، حدیث مبارک اور اقوال صحابہؓ میں سے کسی میں نہ ملے تو امام سمرقندیؒ حضرات تابعین کرامؒ کے اقوال کی طرف رجوع کرتے ہیں، یہ وہی تابعین ہیں، جو کبار صحابہ کرامؓ کے شاگرد ہیں۔ جن تابعین سے انہوں نے تفسیری اقوال نقل کیے ہیں، ان میں حسن بصریؒ، سعید بن جبیرؒ، عطاءؒ، عکرمہؒ، وہب بن منبہؒ، سدیؒ، مقاتلؒ، کلبی وغیرہ کے نام شامل ہیں۔ البتہ انہوں نے امام مجاھدؒ کے اقوال سب سے زیادہ نقل کیے ہیں۔

تفسیر سمرقندی میں لغوی اسلوب تفسیر پر ایک نظر: قرآن کریم کی تفسیر میں لغت کو کتنی اہمیت حاصل ہے یہ بات کسی پر مخفی نہیں، امام سمرقندیؒ نے تفسیر قرآن میں لغت کی اہمیت ان الفاظ سے بیان کی ہے: ''ولا یجوز لأحد أن یفسر القرآن برأیه مالم یتعلم یعرف وجوہ اللغة و أحوال التنزیل......'' یعنی ''جس شخص کو لغت اور اسباب نزول و قصص کا علم نہ ہو تو اس کے لئے قرآن کریم کی اپنے رائے کے ساتھ تفسیر کرنا جائز نہیں ہے، گویا امام سمرقندیؒ کے نزدیک تفسیر قرآن کا دار و مدار لغت دانی پر ہے، قرآن فہمی کے لئے یہ علم رکن رکن کی حیثیت رکھتا ہے، امام سمرقندیؒ نے قرآن کریم کی تفسیر میں جو لغوی اسلوب اختیار کیا ہے، وہ درج ذیل ہے۔

(۱) وہ کسی لفظ کے معنی سب سے پہلے قرآن کریم ہی میں اس کے نظائر یا اس کے سیاقات مختلفہ سے تلاش کرتے ہیں، مثلاً ﴿ رب العالمین ﴾ کی تفسیر میں انہوں نے فرمایا: ''قال ابن عباسؓ: سید العلمین ...والرب في اللغة: هو السید، قال الله تعالیٰ: ﴿ارجع إلی ربك ....﴾ یعني سیدك...'' یعنی ''حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں: ﴿ رب العالمین ﴾ ''سید العلمین'' کے معنی میں ہے.....اور ''رب'' لغت میں ''سید'' کو کہتے ہیں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿ارجع إلی ربك﴾ اس آیت میں ''رب''، ''سید'' کے معنی میں ہے (تفسیر السمرقندي: ۱/ ۸۰)

(۲) کسی لفظ کے معنی قرآن کریم میں اس کے نظائر سے نہیں ملتے تو وہ قدماء عرب کے استعمال کی طرف رجوع کرتے ہیں اور بیان کردہ معنی پر فصحاء عرب کے اشعار سے استشہاد کرتے ہیں، مثلاً ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' میں اسم جلالہ ''الله'' کی تفسیر میں انہوں نے فرمایا: ''وقیل: إنما سمّي الله لأنه لاتدرکه الأبصار، ولاہ: معناہ: احتجب کما قال القائل: لاہ ربّي عن الخلائق طُرّا   خالق الخلق لایُری ویرانا''

یعنی ''بعض علماء کا کہنا ہے ذات باری تعالیٰ کو ''اللہ'' اس لئے کہتے ہیں کہ اس کو کسی کی نگاہ محیط نہیں ہو سکتی، اور ''لاہ'' کے معنی ہیں، ''احتجب''، چھپنا، جیسے کسی شاعر نے کہا

''میرا رب تمام کی تمام مخلوق سے پوشیدہ اور غائب ہے، وہ تمام مخلوق کا خالق ہے جو دکھائی نہیں دیتا اور ہمیں دیکھتا ہے''۔

(۳) امام سمرقندیؒ نے کئی علماء لغت سے استفادہ کیا ہے، جن میں ابن قتیبہ، اصمعی، قطرب، زجاج، فراء، خلیل بن احمد وغیرہ کے نام شامل ہیں، ان علماء لغت سے منقول قول کبھی تو وہ ان میں سے صرف ایک کی طرف منسوب کرتے ہیں اور کبھی زیادہ کی طرف۔

(٤) کبھی امام سمرقندیؒ قول تو ذکر کرتے ہیں مگر اس کے قائل کا نام نہیں لیتے، مثلاً اس طرح کی تعبیرات استعمال کرتے ہیں: "قال أهل اللغة.....، قال بعض اللغويين .... " وغیرہ۔ امام سمرقندیؒ صرف اقوال کے ذکر پر اکتفاء نہیں کرتے بلکہ کبھی کبھار ایک قول کو دوسرے قول پر ترجیح بھی دیتے ہیں۔

(٥) قرآن کریم کی تفسیر میں امام سمرقندیؒ نے "علم الأبنية " جس کا دوسرا نام "علم الصرف" ہے، سے بھی استفادہ کیا ہے، مگر یہ استفادہ ضرورت کے بقدر ہے، چنانچہ وہ بقدر ضرورت کلمہ کا وزن یا اس کا ماخذ اشتقاق وغیرہ بتانے پر ہی اکتفاء فرماتے ہیں۔

(٦) قرآن کریم کے معانی کے فہم میں علم نحو کی اہمیت سے کون واقف نہیں ہوگا کہ معانی کا امتیاز اعراب ہی سے ہوتا ہے، اسی اہمیت کے پیش نظر امام سمرقندیؒ اپنی تفسیر میں نحوی مسائل بھی ذکر کرتے ہیں، مگر بقدر ضرورت، ان کی گہرائی میں بالکل نہیں جاتے، نہ ہی نحات کے اختلافات و دلائل کو ذکر کرتے ہیں، تاکہ قاری کا ذہن نحوی مباحث میں الجھ کر کہیں تفسیر سے نہ ہٹ جائے، مثلاً قول باری تعالیٰ ﴿حذر الموت﴾ کی تفسیر میں انہوں نے فرمایا: "يعني حذر الموت، والكلام ينصب لنزع الخافض، مثل قوله: ﴿واختار موسى قومه﴾ أي من قومه فكذلك ههنا" یعنی" ﴿حذر الموت﴾ میں "حذر " منصوب بنزع الخافض ہے اور وہ خافض "لام جارہ" ہے اور تقدیری عبارت یوں ہے "لحذر الموت " جیسا کہ قول باری تعالیٰ ﴿واختار موسى قومه﴾ میں "قومه" منصوب بنزع الخافض ہے اور وہ خافض "مِن " ہے، تقدیری عبارت یوں ہے: "من قومه"۔ "مِن" کو حذف کر کے اس کے مدخول کو نصب دے کر دیا گیا۔

تفسیر سمرقندیؒ میں بلاغی اسلوب پر ایک نظر: قرآن کریم کی تفسیر میں بلاغی و بیانی اسلوب تفسیر کا سلسلہ حضور اکرم ﷺ کے زمانہ سے چلا آ رہا ہے، مگر شروع میں اس کا رواج بہت کم تھا بعد کے علماء نے اس اسلوب کو رواج دے دیا، امام سمرقندیؒ نے بھی بلاغی و بیانی اسلوب تفسیر کا بھرپور استعمال کیا ہے، تفسیر سمرقندی میں انہوں نے اس اسلوب تفسیر کے لئے یکتائے روزگار علماء سے استفادہ کیا ہے جن میں سرفہرست ابوعبیدہؒ ہیں، جو "مجاز القرآن " کے مصنف ہیں۔ امام سمرقندیؒ ان کے بلاغی اسلوب تفسیر سے بہت زیادہ متاثر ہیں، تفسیر سمرقندی میں انہوں نے ان کے بہت سارے اقوال ذکر کیے ہیں، تفسیر سمرقندی میں بلاغی اسلوب تفسیر کی بے شمار مثالیں ملتی ہیں، مثلاً قول باری تعالیٰ ﴿ولا تنكحوا ما نكح آباؤكم من النساء.... ﴾ میں امام سمرقندیؒ نے اس کی جو بیانی و بلاغی تحلیل کی ہے، اس کو دیکھ کر ان کے بلاغی ذوق کو بے اختیار داد دینے کو جی چاہتا ہے وہ فرماتے ہیں: "فقال تعالىٰ: ﴿ولا تنكحوا ما نكح آباؤكم من النساء....﴾ يعني لا تتزوجوا من قد تزوج آباؤكم من النساء ويقال: اسم النكاح يقع على الجماع و للتزوج، فإن كان الأب تزوج امرأة أو وطئها بغير نكاح حرمت على ابنه، وقوله: ﴿إلّا ما قد سلف﴾ يقول: لا تفعلوا ما قد فعلتم في الجاهلية، وكل الناس يتزوج الرجل منهم امرأة الأب برضاها، بعد نزول قوله: ﴿لا يحل لكم أن ترثوا النساء كرها﴾ حتى نزلت هذه الآية: ﴿ولا تنكحوا ما نكح آباأكم ....﴾، فصار حراما في الأحوال كلها، ويقال: إلّا ما قد سلف، يعني: ولا قد سلف، كقوله تعالىٰ: ﴿وما كان لمؤمن أن يقتل مؤمنا إلّا خطأً﴾ ولا خطأً، وقد قيل: إن في الآية تقديما وتأخيرا، ومعناه ولا تنكحوا ما نكح آباؤكم من النساء، إنه كان فاحشة ومقتا

وساء سبيلا، إلا ما قد سلف ۔وقد قيل: إن في الآية إضمارا ،تقول :ولا تنكحوا ما نكح آباؤكم من النساء ،فإنكم إن فعلتم تعاقبون وتؤاخذون إلا ماقد سلف ''یعنی'' اللہ تعالیٰ نے فرمایا﴿ولا تنكحوا مانكح آباؤكم من النساء....﴾، یعنی''اور تم ان عورتوں سے نکاح نہ کرو جن سے تمہارے باپوں نے نکاح کیا ہے، کہا جاتا ہے کہ لفظ''نکاح'' کا اطلاق جماع اور تزوج دونوں پر ہوتا ہے، پس اگر باپ نے کسی عورت سے نکاح کیا ہو یا اس سے بغیر نکاح کے وطی کی ہو تو وہ اس کے بیٹے پر حرام ہوگئی، اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا﴿إلّا ما قد سلف﴾ فرماتے ہیں کہ وہ کام نہ کرو جو تم نے زمانہ جاہلیت میں کیے ہیں، جب آیت ﴿لا يحل لكم أن ترثوا النساء كرها﴾ نازل ہوئی تو لوگ اپنے باپ کی منکوحہ سے اس کی رضامندی سے نکاح کرتے، مگر جب آیت﴿ولا تنكحوا مانكح آباؤكم من النساء....﴾، نازل ہوئی تو باپ کی منکوحہ سے مطلقاً نکاح حرام ہوگیا خواہ زبردستی ہو یا اس کی رضامندی سے، ایک قول یہ ہے کہ ﴿إلّا ما قد سلف﴾ کے معنی ہیں''ولا ما قد سلف ''یعنی جاہلیت کے زمانہ میں باپ کی منکوحہ سے کیے گئے نکاح بھی حرام ہیں، انہیں بھی ختم کردو، یہ بالکل اسی طرح ہے جس طرح قول باری تعالیٰ:﴿وما كان لمؤمن أن يقتل مؤمنا إلّا خطأ﴾ میں''إلا خطأ ''،''ولا خطأ ''کے معنی میں ہے، یعنی کسی مومن کا دوسرے مومن کو قتل کرنا جائز نہیں نہ عمداً اور نہ خطأً ، ایک قول یہ ہے کہ آیت میں تقدیم وتاخیر ہے اور مطلب یہ ہے''اور تم اپنے باپوں کی منکوحات سے نکاح نہ کرو'' یہ بے حیائی کا کام، بغض کا سبب اور بڑی بری راہ ہے مگر وہ جو گذر چکا ہے، بعض نے کہا ہے کہ اس آیت میں اضمار اور تقدیر ہے، اور مطلب یہ ہے''اور تم ان عورتوں سے نکاح نہ کرو جن سے تمہارے باپوں نے نکاح کیا ہے، اگر تم نے اس طرح کیا تو تمہیں سزا دی جائے گی اور تمہارا مواخذہ ہوگا، مگر وہ جو زمانہ جاہلیت میں گذر چکا ہے''(تفسير السمرقندي :۱/۳٤۳)

امام سمرقندیؒ نے زجاج سے بھی اس باب میں بہت زیادہ اقوال نقل کیے ہیں جنہوں نے''معاني القرآن ''نامی کتاب لکھی ہے، ابن قتیبہ کی کتاب''تأويل مشكل القرآن'' سے بھی انہوں نے بہت زیادہ استفادہ کیا ہے۔ کبھی کبھار امام سمرقندیؒ بلاغی وجہ نقل کرتے ہیں مگر اس کے قائل کا نام نہیں لیتے، مثلاً یوں کہتے ہیں:''قال بعضهم''۔

تفسیر سمرقندی اور قراءات قرآنیہ: تفسیر قرآن اور قرآنی قراءات کے درمیان گہرا ربط اور تعلق ہے، ابن عاشور کہتے ہیں ''ورجحان قراءة من القراءتين يرجح أحد المعنيين المفروضين في تفسير الآية، ورجحان أحد المعنيين قد يرجح إحدى القراءتين على الأخرى ''یعنی'' دو قراءتوں میں سے جو قراءت راجح ہو، وہ متعلقہ آیت کی تفسیر میں دو محتمل معنوں میں سے ایک کو راجح کر دیتی ہے اور اسی طرح دو معنوں میں جو معنی راجح ہوں وہ دو قراءتوں میں سے ایک کو ترجیح دینے میں معاون ہوتے ہیں''(التفسير ورجاله :ص ۲٥) باوجود اس کے کہ علم التفسیر اور علم القراءات دونوں مستقل علوم ہیں، علم تفسیر کا مرجع درایت ہے اور علم القراءات کا مرجع روایت ہے، مگر من وجہ دونوں ایک دوسرے سے باہم مربوط ہیں کیونکہ روایت کا درایت کی تحقیق میں اور درایت کا روایت کی تحقیق میں گہرا اثر ہے(التفسير ورجاله :ص ۲٥)

یہی وجہ ہے کہ امام سمرقندیؒ نے قراءات قرآنیہ کے ذکر کا اپنی تفسیر میں بہت زیادہ اہتمام کیا ہے، وہ قراءات ذکر کرکے ان کی توجیہ کرتے ہیں اور اس بابت علماء کی آراء بھی ذکر فرماتے ہیں صرف قراءات قرآنیہ کے ذکر پر ہی اکتفاء نہیں کرتے بلکہ ان میں سے ایک کو ترجیح بھی دیتے ہیں، ترجیح کے لئے وہ نحو، صرف یا بلاغت کا سہارا لیتے ہیں مثلاً سورۃ المائدۃ کی

آیت ﴿......وجعل منهم القردة والخنازير وعبد الطاغوت...... ﴾ کی تفسیر میں انہوں نے فرمایا: ''قراۃ حمزۃ ﴿وَعَبُدَ الطَّاغُوتِ﴾ بنصب العين والدال وضم الباء وكسر التاء من الطاغوت ، لم يصح في اللّغة أن يقال لجماعة الأعبد.........وقرأ ابن مسعود :﴿وَعَبَدُوا الطاغوتَ﴾ ،يعني يعبدون الطاغوت، قرأ بعضهم :﴿وعُبُدَ الباغوتِ﴾ بضم العين والباء ونصب الدال ، وهو جماعة العبيد ، ويقال : عَبِيدٌ وَعُبُدٌ على ميزان : رَغِيفٌ وَرُغُفٌ و سَرِيرٌ و سُرُرٌ ''یعنی ''حمزہ کی قراءت یوں ہے: ﴿وَعَبُدَ الطاغوتِ﴾ یعنی عین اور دال کے فتحہ اور باء کے ضمہ کے ساتھ اور ''الطاغوت'' کی تاء کے کسرہ کے ساتھ، مگر لغت کے اعتبار سے یہ صحیح نہیں، کیونکہ لغت میں عابدین کی جماعت کو عَبُدُ نہیں بلکہ '' أَعْبُدُ'' کہا جاتا ہے، باقی حضرات نے اسے ﴿وَعَبَدَ الطاغوتَ﴾ پڑھا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ نے ان میں سے بعض کو ایسا بنایا کہ انہوں نے معبودان باطل کی پرستش کی۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو رسوا کر دیا یہاں تک کہ وہ شیطان کی عبادت کرنے لگے۔ ایک روایت کے مطابق حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی قراءت یہ ہے ﴿وَعُبَّدَ الطاغوتَ﴾ یعنی عین کے فتحہ اور باء مشددہ کے فتحہ کے ساتھ، یہ ''عابِدٌ'' کی جمع ہے، چنانچہ کہا جاتا ہے: ''عَابِدٌ وعُبَّد'' جیسے ''رَاكِع ورُكَّعٌ'' اور ''سَاجِدٌ وسُجَّدٌ''، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی قراءت یہ ہے ﴿وَعَبَدُوا الطاغوتَ﴾ یعنی وہ شیطان کی عبادت کرنے لگے، بعض کی قراءت ہے ﴿وعُبُدَ الباغوتِ﴾ عین اور باء کے ضمہ اور دال فتحہ کے ساتھ یہ بھی جمع ہے، غلاموں کی جماعت پر اس کا اطلاق ہوتا ہے چنانچہ کہا جاتا ہے عَبِيدٌ وَعُبُدٌ بروزن رَغِيفٌ وَرُغُفٌ اور سَرِيرٌ و سُرُرٌ۔ (تفسير السمرقندي : ١/٤٤٧، ٤٤٦)..... ان توجیہات میں علم صرف کا استعمال بالکل واضح ہے خصوصاً وزن صرفی کا استعمال۔

ایک قراءت کو دوسری پر ترجیح دینے میں امام سمرقندیؒ نے علم نحو کا استعمال بھی کیا ہے، مثلاً قول باری تعالیٰ ﴿......وقولوا حطّةٌ﴾ کی تفسیر میں انہوں نے فرمایا: '' قرأ بعضهم بالرفع ،وبعضهم بالنصب، سهي قراءة شاذّةٌ ، وإنما جعله نصبا لأنه منعول،ومن قرأبالرفع معناه:قولوا قولاً فيه حطّةٌ ''یعنی ''بعض حضرات نے ''حطّة'' کو مرفوع اور بعض نے منصوب پڑھا ہے، نصب والی قراءت شاذ ہے، جنہوں نے اس کو منصوب پڑھا ہے انہوں نے اسے مفعول بہ قرار دیا ہے، اور جنہوں نے اسے مرفوع پڑھا ہے انہوں نے اسے مبتدأ قرار دیا ہے، جس کی خبر محذوف ہے یعنی ''فيه'' اور یہ پورا جملہ صفت ہے موصوف محذوف ''قولا'' کی جو کہ مفعول مطلق ہے ''قولوا'' کا، اور تقدیری عبارت یوں ہے ''قولوا قولاً فيه حطّةٌ'' (تفسير السمرقندي :١/١٢١)

کبھی قراءت کی ترجیح کے لئے وہ علم بلاغت کا استعمال کرتے ہیں مثلاً آیت ﴿مالك يوم الدين﴾ کی تفسیر میں انہوں نے فرمایا: ''قرأَ نافع وابن كثير وحمزة وأبو عمرو بن العلاء وابن عامر: "مَلِكِ" بغير ألف وقرأعاصم والكسائي بالألف: "مالك"، فأمامن قرأ: "مالك" قال: لأن المالك أبلغ في الوصف........وإذا قلت فلان مالك هذه البلدة كان ذلك عبارة عن ملك الحقيقة...... ''یعنی ''نافع، ابن کثیر، حمزہ، ابوعمرو بن العلاء اور ابن عامر کی قراءت بغیر الف کے ''مَلِك'' ہے، عاصم اور کسائی کی قراءت الف کے ساتھ ''مالك'' ہے، جنہوں نے ''مالك'' پڑھا ہے ان کا کہنا ہے کہ ''مالك''، ''ابلغ في الوصف'' ہے کیونکہ ''مالك الدار'' اور ''مالك الدابة'' تو کہا جاتا ہے مگر ''ملك

الدار ''یا''ملك الدابة ''نہیں کہا جاتا ہے، بلکہ ''ملك'' بادشاہ کو کہا جاتا ہے جنہوں نے ''مَلِك'' پڑھا ہے، ان کا کہنا یہ ہے کہ ''مَلِك'' ''مَالِك'' کے مقابلہ میں ''ابلغ في الوصف'' ہے کیونکہ جب آپ کہتے ہیں ''فلان مالك هذه البلدة'' تو یہ حقیقت مِلک سے عبارت ہوتا ہے (تفسير السمرقندي: ۱/ ۸۰)

تفسیر سمرقندی اور ناسخ ومنسوخ: قرآن کریم کی تفسیر میں ناسخ ومنسوخ کے علم کو نہایت اہمیت حاصل ہے ناسخ ومنسوخ کے علم کے بغیر قرآن کریم کی تفسیر کسی کے لئے بھی جائز نہیں ہے، حضرت علیؓ نے ایک قاضی سے دریافت فرمایا: ''أتعرف الناسخ من المنسوخ؟ قال: لا، قال: هلكت وأهلكت ''یعنی ''کیا تمہیں ناسخ ومنسوخ کی پہچان ہے؟ اس نے کہا نہیں، آپؓ نے فرمایا: تب تم خود بھی ہلاک ہو گئے ہو اور لوگوں کو بھی ہلاکت میں ڈال دیا ہے'' (البرهان: ۲/ ۲۹، الإتقان: ۲/ ۳۳)

امام سمرقندیؒ چونکہ اس بات سے بخوبی واقف تھے کہ قرآن کریم کی تفسیر میں ناسخ ومنسوخ کی معرفت وآگاہی کو نہایت اہمیت حاصل ہے اس لئے وہ تفسیر قرآن کے لئے ضروری اس علم کے ہتھیار سے بھی خوب لیس تھے، سورۃ البقرۃ کی آیت ﴿مانسخ من آية أو ننسها.... ﴾ کی تفسیر کے ذیل میں انہوں نے نسخ کے لغوی واصطلاحی معنی، نسخ کے اقسام، اور اس کے متعلق دیگر مفید مباحث پر اختصار کے ساتھ روشنی ڈالی ہے۔ ملاحظہ فرمائیں: تفسير السمرقندي: ۱/ ۱۴۷، ۱۴۶۔ سورۃ آل عمران کی آیت ﴿يأيها الذين آمنوا اتقوا الله حق تقاته ...... ﴾ میں انہوں نے ان لوگوں پر رد کیا ہے جو اس آیت کے منسوخ ہونے کا انکار کرتے ہیں (تفسير السمرقندي: ۱/ ۲۸۸) امام سمرقندیؒ ''نسخ القرآن بالقرآن'' اور ''نسخ القرآن بالحديث'' دونوں کے قائل ہیں، تفسیر سمرقندی سے اول کی مثال تو ابھی اوپر گذری کہ آیت ﴿يأيها الذين آمنوا اتقوا الله حق تقاته ...... ﴾ اس آیت سے منسوخ ہے ﴿فاتقوا الله ما استطعتم ﴾، اور ''نسخ القرآن بالحديث'' کی مثال سورۃ النساء کی یہ آیت ہے ﴿واللاتي يأتين الفاحشة من نسائكم فاستشهدوا عليهن أربعة منكم .... ﴾ امام سمرقندیؒ فرماتے ہیں کہ یہ آیت حضور ﷺ کی اس حدیث سے منسوخ ہے ''خذوا عنّي قد جعل الله لهن سبيلا، البكر بالبكر، جلد مئة وتغريب عام، والثيب بالثيب جلد مئة و الرجم بالحجارة. ''یعنی ''مجھ سے سیکھ لو اللہ تعالیٰ نے بدکار عورتوں کیلئے راہ بتادی ہے اور وہ یہ کہ غیر شادی شدہ مرد وعورت کے لئے سو سو کوڑے اور ایک سال کی جلاوطنی ہے اور شادی شدہ مرد وعورت کے لئے سو سو کوڑے اور سنگساری ہے''۔ (تفسير السمرقندي: ۱/ ۳۴۹)

امام سمرقندیؒ صرف امر، نہی، وعد اور وعید میں جواز نسخ کے قائل ہیں، قصص واخبار میں ان کے نزدیک نسخ جائز نہیں ہے، کیونکہ اس سے کذب لازم آتا ہے اور قرآن کریم میں کذب جائز نہیں ہے۔ (تفسير السمرقندي: ۱/ ۱۴۷)

تفسیر سمرقندی اور احکام فقہیہ: پہلے ہم ذکر کر آئے ہیں کہ امام سمرقندیؒ کا مشہور ترین لقب ''الفقيه'' ہے، اس لقب کی ایک وجہ تو حضور ﷺ کا خواب میں ان کو ''فقیہ'' کہہ کر مخاطب کرنا ہے، دوسری وجہ ان کی علم فقہ میں نہایت مہارت ہے، وہ اپنے زمانہ کے بہت بڑے فقیہ تھے، مسلکاً حنفی تھے، فقہ میں کامل مہارت کے باوجود وہ اپنی تفسیر میں فقہی مذاہب ودلائل وغیرہ سے بالکل تعرض نہیں فرماتے، بلکہ صرف بقدر ضرورت فقہی مباحث ذکر فرماتے ہیں، جن سے آیت کی تفسیر سمجھنے میں مدد ملے، طویل فقہی

مباحث سے اعراض کی وجہ وہی ہے جو ہم پہلے بیان کر آئے ہیں کہ قاری کا ذہن تفسیر سے نہ ہٹ جائے اور تفسیر کا تسلسل برقرار رہے بطور نمونہ ایک مثال ملاحظہ فرمائیں، سورۃ المائدۃ کی آیت ﴿يسالونك ما ذاأ حلّ لهم قل أحل لكم الطيبات وما علمتم من الجوارح مكلبين تعلمونهن مما علمكم الله فكلوا مما أمسكن عليكم...... ﴾ کی تفسیر میں فرمایا: ''في هذه الآية دليل: أن الكلب إذا كان أكل لايؤكل، لأنه أمسك لنفسه، وفيها دليل...... فإن الإنسان إذا كان له علم، أولى أن يكون له فضل على سائر الناس. ''یعنی'' یہ آیت اس بات پر دیل ہے کہ سدھائے ہوئے کتے نے اگر شکار سے خود کچھ کھالیا تو وہ شکار کھانا اس شخص کیلئے حلال نہ ہوگا کیونکہ کتے نے اسے اپنے لئے روکے رکھا۔ یہ آت اس بات پر بھی دلیل ہے کہ کتے کو شکار کے لئے چھوڑتے وقت بسم اللہ پڑھلینی چاہئے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے شکار کو بسم اللہ پڑھنے کی شرط پر مباح قرار دیا ہے اور اس شرط پر کہ کتا اس شکار کو اپنے مالک کے لئے رکھ چھوڑے، اس کا انتظار کرے، خود اس سے کچھ نہ کھائے، اسی طرح یہ آیت اس بات پر بھی دلیل ہے کہ کتا جب سدھایا ہوا نہ ہو تو اس کا کیا ہوا شکار کھانا حلال نہیں، نیز اس میں اس بات پر بھی دلیل ہے کہ عالم کو جو فضیلت حاصل ہے وہ جاہل کو نہیں، اس لئے کہ جب کتے کو شکار کی تعلیم دی جائے تو وہ تمام کتوں سے فضیلت لے جاتا ہے، تو انسان تو بطریق اولیٰ علم کی وجہ سے دوسروں پر برتر ہوگا......'' (تفسير السمرقندي :۱/۴۱۷)

تفسیر سمرقندی اور اسرائیلیات: تفسیر سمرقندی بلاشبہ ایک عمدہ، مختصر اور جامع ترین تفسیر ہے، مگر دیگر کئی تفاسیر کی طرح اس کا دامن بھی اسرائیلیات سے داغ دار ہے، اگر امام سمرقندیؒ اسرائیلیات ذکر کرنے کے بعد ان پر کچھ تبصرہ فرماتے تو کوئی حرج نہ ہوتا، مگر انہوں نے اس طرح نہیں کیا، انہوں نے اسرائیلیات کی تینوں اقسام (جو ہم تفسیر ''روح المعاني'' کے تعارف کے ذیل میں بیان کر آئے ہیں) اپنی تفسیر میں ذکر کی ہیں تفسیر سمرقندی میں ان کے اسرائیلیات کے کئی مصادر ہیں (۱) تورات کی قراءت، تفسیر میں اسکی کئی جگہ انہوں نے تصریح کی ہے (۲) اہل تورات سے سماع، اس سماع کی بھی وہ تفسیر میں تصریح کرتے ہیں، مثلاً یوں کہتے ہیں: ''سمعت أهل التوراة يقولون.... '' (۳) وضع اور ضعف کے ساتھ متہم راویوں سے روایت، جیسے عکرمہ، ضحاک، مقاتل، وھب بن منبہ وغیرہ (۴) کبھی کبھار وہ قائل کا نام ذکر کیے بغیر اسرائیلی روایت ذکر کرتے ہیں، مثلاً یوں کہتے ہیں: ''قال بعضهم.... '' (۵) عبداللہ بن عباسؓ سے کبھی کبھار اہل کتاب کے متعلق کوئی حکایت نقل کرتے ہیں مثلاً سورۃ البقرۃ کی آیت ﴿فأزلهما الشيطان عنها فأخرجهما مما كانا فيه ﴾ کی تفسیر میں انہوں نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے ایک اسرائیلی روایت ذکر فرمائی ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ ابلیس کو حضرت آدم علی نبینا علیہ الصلوۃ والسلام کو جو نعمتیں اور آسائشیں حاصل تھیں، ان کی وجہ سے اسے ان سے حسد ہوگیا، چنانچہ اس نے ان کو جنت سے نکالنے کے لئے ایک حیلہ کیا، وہ ایک سانپ کی صورت میں جنت میں داخل ہوا، پھر جنت کے دروازے پر آ کر اس نے حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حواء رضی اللہ عنہا کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: ﴿ما نهاكما ربكما عن هذه الشجرة إلّا أن تكونا ملكين أو تكونا من الخالدين ﴾ یعنی ''تمہارے رب نے تم دونوں کو اس درخت سے صرف اس وجہ سے منع فرمایا ہے کہ تم دونوں کہیں فرشتے نہ بن جاؤ یا کہیں ہمیشہ زندہ رہنے والوں میں سے نہ ہو جاؤ'' یہ سن کر وہ دونوں اس کے پھسلاوے میں آ گئے اور ان دونوں نے اس درخت سے کچھ کھالیا۔ ایک قول یہ ہے کہ حضرت حواء نے حضرت آدم علیہ السلام سے کہا آؤ اس

درخت سے کچھ کھالیں، وہ بار باران سے کہتی رہیں یہاں تک کہ آدم علیہ السلام نے اس درخت سے کھالیا، مگر حضرت حواء نے ان سے پہلے اس درخت سے کھایا (تفسير السمرقندي: ١/١١٢، ١١١) اس طرح کی کئی اسرائیلی روایات تفسیر سمرقندی میں موجود ہیں، جن میں سے بعض انتہائی خطرناک ہیں، کچھ تو ایسی ہیں جن سے حضرات انبیاء علیہم السلام کی عصمت پر زبردست زد پڑتی ہے، مثلاً سورۃ البقرۃ میں اس آیت کی تفسیر ملاحظہ فرمائیں: ﴿واتبعوا ما تتلوا الشياطين﴾ (تفسير السمرقندي: ١/١٤٤، ١٤٠)

کتاب کا پیش نظر مطبوعہ ایڈیشن: اس وقت اس کتاب کا ہمارے پیش نظر صرف ایک ہی نسخہ ہے، اسے ۱۴۱۳ھ بمطابق ۱۹۹۳ء میں ''دار الكتب المصرية'' نے شیخ علی محمد معوض، شیخ عادل احمد عبدالموجود اور ڈاکٹر زکریا عبدالمجید النوتی کی تحقیق وتعلیق کے ساتھ چھاپا ہے، یہ اس کتاب کا پہلا ایڈیشن ہے جو تین جلدوں پر مشتمل ہے، نسخہ کی تیاری میں محققین حضرات نے کتاب کے تین مخطوطوں کو پیش نظر رکھا ہے، اس نسخہ میں محققین حضرات نے جو تحقیقی، تعلیقی کام کیا ہے وہ درج ذیل ہے

(۱) کتاب کے متن کو نحوی اور املائی غلطیوں سے حتی الامکان پاک کر کے پیش کیا گیا ہے، اس کے لئے دستیاب مخطوطوں کا ایک دوسرے سے نہایت باریک بینی کے ساتھ تقابل کیا گیا ہے، تقابل کے بعد اسی متن کا انتخاب کیا گیا ہے جو اقرب الی الصواب معلوم ہوتا ہو۔ (۲) نسخوں کے درمیان فرق بتایا گیا، مگر اس کا ہر جگہ اہتمام نہیں کیا گیا کہ اس میں کوئی خاطر خواہ فائدہ نہ تھا۔ (۳) کتاب میں مذکور احادیث کی تخریج کی گئی ہے۔ (۴) آثار کے مصادر کی نشاندہی کی گئی ہے۔ (۵) کتاب میں مذکور الفاظ غریبہ کی توضیح کی گئی ہے، اس مقصد کے لئے لغوی معاجم سے مدد لی گئی ہے۔ (۶) کتاب میں مذکور اعلام کے تراجم ذکر کئے گئے ہیں۔ (۷) قراءات کے مصادر بتائے گئے ہیں، حسب ضرورت ان پر بعض مفید تعلیقات بھی ذکر کی گئی ہیں نیز ہر قراءت کی حجت بھی بیان کی گئی ہے۔ (۸) کتاب میں مذکور فقہی واصولی اصطلاحات کی وضاحت کی گئی ہے۔ (۹) مصنف ؒ نے جن موضوعات کی طرف اشارہ فرمایا ہے ان پر مفید تعلیقات درج کی گئی ہیں۔ (۱۱) امتیاز کے لئے قرآن کریم کی آیات کو قوسین ﴿﴾ کے درمیان ذکر کیا گیا ہے۔ (۱۲) کتاب کے شروع میں ایک مقدمہ بھی ہے جو علم تفسیر سے متعلق اہم اور مفید مباحث پر مشتمل ہے۔ لیکن! یہ کتاب اب بھی کئی لحاظ سے علمی خدمات کی متقاضی ہے۔ محققین حضرات نے کتاب پر جو تحقیقی وتعلیقاتی کام کیا ہے وہ اگر چہ مفید ہے، ایک علمی کام ہے، اس کے فائدہ سے انکار نہیں، مگر اسے کافی وشافی بھی نہیں قرار دیا جاسکتا، جس حوالے سے کتاب پر کام کی ضرورت تھی، محققین حضرات نے اس کی طرف کوئی خاص التفات نہیں کیا، ہماری نظر میں کم از کم دو حوالوں سے اس کتاب پر اب بھی کام کی ضرورت ہے۔

(۱) کتاب میں مذکور اسرائیلی روایات کی نشاندہی کر دی جائے، اس کے بغیر یہ کتاب کما حقہ سودمند نہیں ہوسکتی بلکہ علم تفسیر سے ناواقف لوگوں کی گمراہی کا خدشہ ہے، خصوصاً ان اسرئیلی روایات سے جن سے حضرات انبیاء کرام علیہ السلام کے دامنِ عصمت پر حرف آسکتا ہے۔ (۲) کتاب میں مذکور احادیث وآثار کا درجہ اور حکم بیان کیا جائے کیونکہ اس میں متعدد احادیث وآثار یا تو ضعیف ہیں یا موضوع، مگر محققین حضرات نے ان پر بھی تنبیہ نہیں فرمائی، صرف تخریج کر کے آگے چل پڑے۔

☆……☆……☆